

تاریخ طبری کے مآخذ

نوشتہ :- ڈاکٹر جواد علی، عراق اکاڈمی بغداد

ترجمہ :- جناب نثار احمد صاحب فاروقی، دہلی یونیورسٹی دہلی

~~~~~(۳)~~~~~

سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو برہان مارچ ۱۹۶۵ء

یقیناً اہل شام میں ایسے راوی موجود تھے جنہوں نے فتوحات کی اور شام میں امویوں کی تاریخ، اور ان وقائع کی تاریخ جو امویوں اور ان کے مخالفین کے درمیان پیش آئے تھے، مرتب کی تھی۔ دلائل سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دمشق اور عراق میں عصر اموی میں وثائق و دستاویزات دستیاب تھیں بلکہ یہ بھی بخوبی ممکن ہے کہ متاخر تاریخ نگاروں نے انہیں اپنا مآخذ بنایا ہو، پھر وہ ضائع ہو گئیں، شاید سیاست کو بھی اس میں کچھ دخل رہا ہو، اس نے فراخی حوصلہ کا ثبوت نہیں دیا اور انہیں نظر انداز کر دیا۔ چنانچہ البلاذری کی تصانیف میں ہم ایسے وثائق کے حوالوں سے دوچار ہوتے ہیں۔ عوانۃ الکلبی جو کوفہ میں رہنے کے باوجود اہل شام سے ربط و ضبط رکھتا تھا، اور شامی امور میں طبری اس سے بہت کچھ نقل کرتا ہے اور اسے ان امور میں فاضی بصیرت حاصل تھی، اکثر مواقع پر طبری نے اس کی اور ہشام الکلبی کی روایات میں جو اہل عراق کا نقطہ نظر پیش کرتی ہیں، موازنہ کیا ہے۔ ہم ابن ہشام الکلبی کی موافقات میں بھی شامی روایات کا اثر پاتے ہیں۔ خصوصاً عوانۃ کے طریق پر۔ کیوں کہ شامیوں کے معاملے میں حضرت علیؑ کے ساتھ اس کی طرف داری کا رجحان بالکل نمایاں ہے۔

قدما، مؤرخین میں جو خصوصیت بالکل نمایاں نظر آتی ہے وہ یہ کہ ان میں سے اکثر اصحابِ حدیث تھے، چنانچہ وہ اپنی تصانیف میں موضوعاتِ تاریخ سے بحث کرتے ہوئے بھی اسلوبِ محدثین کی پیروی کرتے تھے، اسی لئے "اسناد" کا طریقہ تیسری صدی ہجری کے آخر تک بہت اہتمام سے جاری رہا۔ حتیٰ کہ محدثوں کی ایک جماعت نے ابنِ اسمٰعیل جیسے بعض مؤرخوں پر یہ جرح کی ہے کہ وہ اسناد کے معاملے میں بے پروائی برتتا ہے۔<sup>۱</sup>

**المدائنی** | المدائنی (متوفی ۲۲۵ھ) جو بصرہ اسکول کے مشہور راویوں میں سے ہے، رواقہ کوفہ و مدینہ اور ابوحنیفہ کی درمیانی راہ چلا ہے، جو اپنی شدت اور حدیث کا سختی سے اتباع کرنے میں معروف ہیں، اور اس دگر سے ایک سوت ہٹنا نہیں چاہتے، اس نے ان سے عراقی روایات حاصل کیں، اور مذاہبِ اہلِ مدینہ کے متماثل اصولِ نقد پر انھیں قبول کیا، اور اس طرح ایک اہم ماخذ اپنے بعد آنے والے مؤرخوں کی تصانیف کے لئے فراہم کر گیا۔<sup>۲</sup>

**المدائنی** کو بصرہ اور خراسان کی تاریخ سے بطور خاص دل چسپی تھی، اسی لئے طبری نے جہاں کہیں ان دونوں مقامات کے بارے میں لکھا ہے، اس کی روایتوں پر اعتماد کیا ہے، ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ عباسیوں کے نقطہ نظر سے متاثر تھا اور اسی مؤثر کے تحت اس نے سقوطِ دولتِ امویہ اور قیامِ دولتِ عباسیہ کا حال لکھا ہے۔<sup>۳</sup>

مؤرخینِ بصرہ کا اسکول المدائنی سے اور اہلِ مدینہ کے انداز سے متاثر ہوا، اور یمن سے تجارتی تعلقات کے باعث صنعائینوں سے بھی اثر قبول کیا جو اساطیر اور اسرائیلیات کے لئے معروف ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ بحیثیتِ مجموعی یہ کوفہ اسکول سے حدت میں نسبتاً کم، مذاہبِ محدثین سے بمقابلہ اہلِ کوفہ کے زیادہ قریب اور امویوں سے تعصب رکھنے میں ان سے خفیف ہے۔

اہلِ حدیث، اہلِ اخبار اور اہلِ تاریخ کے طریقِ روایت میں ہم جو مشابہت پاتے ہیں، اسے خاور شناسوں کی ایک جماعت نے، جس نے عربوں میں فنِ تاریخ نویسی کے ارتقاء پر ریسرچ کی ہے، یہ کہہ کر دور کرنا چاہا ہے کہ تاریخ دراصل علمِ حدیث ہی کی پیداوار ہے، دوسرا گروہ کہتا ہے کہ عربوں کی تاریخ، سیرۃ اور مغازی سے پیدا ہوئی ہے۔

۱۔ دائرہ ۴۹۰ -

۲۔ WELLHAUSEN : THE ARAB KINGDOM AND ITS FALL PP. VII FF.

۳۔ WELLHAUSEN :

THE ARAB KINGDOM AND ITS FALL . FF. VII

تاریخ بغداد ۱۲/۵۴، یا قوت: الارشاد ۳۰۹/۵ -

حالانکہ سیرۃ و مغازی کی کتابیں، کتبِ حدیث کے بعد پیدا ہوئی ہیں، اور یہ حدیث ہی کے ابواب میں سے ایک باب ہیں، ان مستشرقین کی دلیل اپنے قول پر یہ ہے کہ کتبِ تاریخ، حدیث کی کتابوں کے بعد ظاہر ہوئی ہیں اور عربوں کو ہدایت کے زمانہ میں کتبِ تاریخ کی تدوین کا خیال نہیں آ سکتا تھا۔

صدر اسلام کی تالیفات | ہم مصادرِ تاریخِ طبری کے مطالعے کے دوران میں دیکھیں گے کہ اس رائے پر دلیلیں مکرر ہیں، تاریخ اور حدیث کے طریقِ روایت میں تشابہ اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ تاریخ حدیث ہی کی ایک فرع ہے، ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ تاریخ حدیث سے زیادہ قدیم ہے، لوگ پہلے بھی وقائع جمع کرتے تھے، اور انھیں تاریخ الماضیین کا نام دیتے تھے۔ پھر خلفاء کے حدیث کی طرف میلان نے انھیں ادھر متوجہ کر دیا۔ اس موضوع پر کتابیں مرتب بھی ہوئیں جو افسوس ہے کہ ضائع ہو گئیں، بالکل اسی طرح جیسے حدیث کی اکثر کتابیں جو عہدِ اموی میں تالیف ہوئی تھیں، اب ناپید ہو چکی ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ روایت جو صدر اسلام کے عربوں کو ترجمہ و تصنیف و تالیف سے بالکل نا بلد بتاتی ہے اور صدر دولتِ عباسیہ کو عربوں کے علم و ثقافت کا مبداء قرار دیتی ہے، ایسی روایت ہے جس میں سیاسی مقصد غالب ہے اور اُسے پروپیگنڈے نے وضع کیا ہے، غالباً ہی پروپیگنڈہ تاریخ کی ان کتابوں کے ضائع ہونے کا ذمہ دار ہے جو اس خلافت کے قیام سے پہلے لکھی گئی تھیں۔

ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ اسلام کے وقائع پر جو کتابیں لکھی گئیں اور جو کتابیں دولتِ امویہ کے زمانہ اقتدار میں مرتب ہوئیں یا جو کتابیں خلفائے بنی امیہ کے ایماء سے تالیف کی گئیں یا بعض خاندانوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے ان کے قبیلے کی مدح میں تصنیف ہوئیں، ان کے ساتھ وہی سب کچھ ہوا جو تمام انسانوں میں اور تمام قوموں میں ہوتا آیا ہے، جو لوگ تاریخِ عربی کو اس کے سوا کسی اور نہج پر موڑنا چاہتے ہیں وہ غلطی پر ہیں، کیوں کہ انسان بہر حال انسان ہے اور اس کی تاریخ بھی انسان ہی کی تاریخ ہے نہ اس سے کم ہو سکتی ہے نہ زیادہ۔ تیسری صدی ہجری میں کچھ ایسے مؤرخ پیدا ہوئے جنھوں نے اُس رجحان کو محسوس کر لیا جو مدت سے ذہنوں میں پرورش پا رہا تھا، یعنی دنیا کی ایک عام تاریخ لکھی جائے جس میں پچھلے مواد سے استناد کیا جائے اور اس مواد سے بھی جس کے بارے میں ہم اصل موضوع یعنی تاریخِ طبری کے مآخذ سے بحث کرتے ہوئے

وضاحت کریں گے۔

چنانچہ تاریخ عام کے موضوع پر ایسی کتابیں ظاہر ہوتیں جو آغاز آفرینش سے شروع ہوتی ہیں، پھر ان میں دوسری قوموں کی تاریخ، خصوصاً روم اور رومیوں کی، بالاختصار بیان کی گئی ہے، لیکن زمانے نے ان میں سے اکثر ضائع کر دیا۔ مؤرخوں کی معلومات اس سلسلہ میں کافی نہیں تھیں، یہ کتابیں فہم تاریخی کی حقیقی صلاحیت پر بھی دلالت نہیں کرتیں، پس جو کچھ تاریخ عالم کے ذیل میں لکھا گیا، وہ تاریخ کے مرادی معنوں میں کون دھلتی، کا بیان نہیں تھا، پھر یہ تاریخ تمام اقوام عالم کی سرگذشت سے بھی کچھ زیادہ سروکار نہیں رکھتی، بلکہ مؤرخوں نے تاریخ اسلام کے سلسلے میں اپنی آگاہی کا حصر کرنے کی کوشش کی ہے۔<sup>۱</sup>

تاریخ طبری بہترین کتاب جو زمانے کے تھپیڑوں سے بچ گئی اور جو متفرق موضوعات مثلاً لغت و ادب، سیرۃ تاریخ احداث، تاریخ الخلفاء، تفسیر و حدیث وغیرہ کی جامع ہے اور ان کے بارے میں قابل استناد مواد رکھتی ہے اور یہ سارا مواد اُس نے اپنے اندر سمولیا ہے نیز ہمارے لئے اُن کتابوں کے اقتباسات بھی محفوظ کر لئے ہیں جنہیں زمانے نے فنا کر دیا۔ وہ کتاب "تاریخ الامم والملوک" ہے یا تاریخ الرسل والملوک یا اخبار الرسل والملوک ہے جو ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) کی تالیف ہے۔<sup>۲</sup> اس میں مؤلف نے مختلف تاریخی روایات نہایت ہنرمندی اور سلیقے کے ساتھ جمع کی ہیں۔ ہر روایت کو اس کے ناقل کی طرف منسوب کیا ہے اور حاشیہ آرائی کا کام قاری پر چھوڑ دیا ہے کہ چاہے وہ حق میں فیصلہ کرے یا خلاف کرے۔

۱۔ دائرہ/۲۹۱ - ان میں احمد بن ابی یعقوب بن واضح العباسی بھی ہے جو البیہقی کے نام سے مشہور ہے، اس نے ۲۷۸ھ میں وفات پائی اس کی تاریخ مستشرق ہو تسما (HOUTSMA) نے ۸۸۳ء میں دو جلدوں میں چھپوا دی ہے۔ ۲۔ دائرہ/۲۹۱ -

ENCY. OF ISLAM VOL 4 P 479, BROCKELMANN, G.A.L. VOL I P 142, SUPPL. VOL I, P 217, WENSINCK: HANDWORTERBACH DES ISLAM P 710 -

۳۔ راجع عن الطبری: یا قوت: الارشاد ج/۲۲۳ فابعد۔

السکي: الطبقات ۱۳۵/۲ فابعد۔

الذہبی: تذکرۃ الحفاظ ۲۵۱/۲ فابعد۔

الخطیب: تاریخ بغداد ۱۶۲/۲ فابعد۔

السمعانی: کتاب الانساب ورق ۳۶۷ - الف -

ابن خلکان: الوفيات ۵۷۷/۲ -

ابن النديم: الفهرست (طبع FLiIGEL) ض ۲۳۲ - ۲۳۶ (وغیرہ)

الطبری نے اپنی کتاب کی ہر فصل میں جن مراجع پر بھروسہ کیا ہے ان میں کچھ تو وہ زبانی روایات ہیں جو کچھ سال بزرگوں سے اُسے پہنچیں، اور کچھ ان روایات کی بنیاد پر لکھی ہوئی تالیفات ہیں جن سے الطبری نے فائدہ اٹھایا۔ اس طرح اُس نے بہت سے مصادر سے اپنی کتاب کا مواد فراہم کیا ہے اور ان مصادر کو باہم مربوط کرنے میں 'نیز اپنی تاریخ سے قبل لکھی ہوئی کتابوں سے واقفیت حاصل کرنے میں اُس نے غیر معمولی مہارت کا ثبوت دیا ہے، اسی طرح اس نے اپنی دوسری کتابوں میں، مثلاً 'تفسیر موسومہ' جامع البیان فی تفسیر القرآن میں جو تیس جلدوں کی ضخیم کتاب ہے، یا اپنی 'کتاب اختلاف الفقہاء' میں اسی قدرت کا نمونہ پیش کیا ہے۔ جس سے علوم میں اس کے تجرّد اور وسعت معلومات اور اس کام میں دیدہ ریزی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور یہی خصوصیات وہ اسباب ہیں جن کی بنا پر علماء اس کی کتابوں کو وقعت اور احترام کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

تفسیر طبری | تفسیر الطبری معلومات کا ایک ایسا بھرپور خزانہ (انسائیکلو پیڈیا) ہے، جو اس کے علم و فضل کی گواہی دیتا ہے، اس کی تالیف میں اس نے 'تفسیر بالعلم' کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ یہ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہتے کہ اس نے یا تو صحابہ اور تابعین کے اقوال کی طرف رجوع کیا ہے۔ یا جو کچھ ان سے منسوب ثابت ہوا ہے، اس کی نظر میں صحیح تفسیر کی یہی علامت ہے، 'تفسیر بالرأی' سے وہ اجتناب کرتا ہے۔ اور ایسے مفسروں پر جو غلامت کی جاتی ہے

۱۔ جامع البیان فی تأویل القرآن " قاہرہ ۱۳۲۱ھ (مطبع سیمینہ) " المیمونیکہ " ۱۳۲۱-۱۳۳۰ (المطبعة الکبریٰ الامیریہ ببولاق) یا جامع البیان فی تفسیر القرآن " قاہرہ ۱۳۳۱ھ

H. HAUSLEITER: REGISTER ZUM QORANKMT. DES TABARI STRASSBURG (1912)

O. LOTTS: TABARI'S KOM ZDMG 35, P. 588-628 (1881)

NÖLDEKE: GESCH. DES QORAN VOL. 2 P. 171

اس تفسیر کا فارسی ترجمہ منصور بن زح سامانی کے حکم سے ہوا تھا۔

GRUNDRIS DER IRAN. PHIL. VOL 2 P 366

STOREY: PERSIAN LITERATURE VOL 1.

المذاهب الاسلامیہ فی تفسیر القرآن ص ۸۴ و بعد۔

طبع قاہرہ ۱۳۲۰ھ م ۱۹۰۲ء F. KERN: ZDMG 55 PP. 61-95 ۵

۳۔ المذاهب الاسلامیہ ص ۸۶ جلد ۱/۱۳۲ (اہل علم) (اہل علم اور ان لوگوں کے درمیان اختلاف جو قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرتے ہیں) ۱۲۰/۱۲۹، ۱۰۳۔

اس سے خود کو محفوظ رکھتا ہے اسی لئے اس کی تفسیر اسانید اور روایات کا ایک سلسلہ ہے جو علماء سے منتقل ہوا ہے، چنانچہ جب اس نے اُن کے امکان روایت پر پورا اطمینان کر لیا ہے تب انہیں اپنی تفسیر میں مدون کر دیا ہے۔  
البتہ وہ ان کے بارے میں اپنی رائے بھی تعلیقات کے طور پر صراحت سے پیش کرتا ہے اور اس معاملے میں وہ ابن عباسؓ کی روایات کے ساتھ بھی ایسا ہی کرتا ہے۔

الطبری آیات قرآنی کے ظاہری معنوں کو دیکھتا ہے، اگر وہ واضح ہوں تو اُن کی تفسیر میں کتر بیوت نہیں کرتا، اگر کچھ مبہم ہوں اور تفسیر کا مطالبہ کرتے ہوں تو وہ قدیم روایات کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور دیکھتا ہے کہ اسلاف نے اُن کے بارے میں کیا کہا ہے۔<sup>۳</sup> یا پھر لغت سے مدد لے کر ان کا ابہام دور کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس کے لئے قدیم شاعری کے شواہد سے یا ایسی اسناد سے رجوع کرتا ہے جیسا کہ ابن عباس کیا کرتے تھے۔<sup>۴</sup>  
یہی سبب ہے کہ تفسیر الطبری میں بہت سے وہ لغوی مسائل بھی آگئے ہیں جن میں کوئی اور بصرے کے نحویوں کا اختلاف رہا ہے، اور بہت سی وہ اہم اور نا درمنا لیں بھی اُن اختلافات کی محفوظ ہو گئیں جو کوئیوں اور بصریوں میں تھے۔<sup>۵</sup>  
طبقة علماء میں اس تفسیر نے بڑی شہرت حاصل کر لی، حتیٰ کہ ابو حامد الاسفرائینی (متوفی ۴۰۶ھ) کا یہ قول بیان کیا جاتا ہے کہ ”اگر کسی شخص نے ملک چین کی آخری حد تک ابن جریر کی تفسیر حاصل کرنے کے لئے سفر کیا تو یہ کچھ بڑی بات نہیں ہے۔“ اس تفسیر کی شہرت نے تقریباً اجماع کا مرتبہ حاصل کر لیا یا اس کے برابر سمجھی جانے لگی۔ اس میں شک نہیں یہ کتاب مواد سے پُر ہے، حوالوں سے مالا مال ہے اور بہت سے معارف کو محیط ہے، نیز اس میں ایسے مآخذ کے اقتباسات موجود ہیں جو کسی دوسری کتاب میں اتنی کثرت سے نہیں ملتے، لیکن یہ حقیقت ہمیں اس امر کے اظہار سے نہیں روکتی کہ اس میں تقلید کا پہلو تجرید پر بھاری ہے، اور مواد کا حصہ رائے پر غالب ہے۔

۱۔ GOLDZIEHER : DIE RICHTUNGEN DER ISLAMISCHEN KORAN AUSLEGUNG, UNG, LEIDEN 1920 PP 85-98  
المذاهب الاسلامیہ ص ۸۶ -

۲۔ المذاهب الاسلامیہ ص ۸۷ (وہ مجاہد کے بارے میں جو ابن عباس کے راویوں میں سے ہیں کہتا ہے: ”اس کی رائے اُن لوگوں کے اجماع کے خلاف جاتی ہے جن کی طرف کذب کی نسبت ممکن نہیں۔“ یا یہاں مجاہد کی روایت سے جو کچھ کہا گیا وہ بے معنی بات ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اس کی رائے فاسد ہے۔“

۳۔ المذاهب الاسلامیہ ص ۸۸ ج ۱/۵۹، ۱۱۲، ۳۰۶، ۳۰۷، جلد ۲/۲۰۹، جلد ۲۵/۱۲ - سورة الشوریٰ آیت ۲۵  
۴۔ المذاهب الاسلامیہ ص ۹۱ - ج ۱/۱۲۴ - یا قوت : الارشاد ۶/۴۳۲ -  
۵۔ المذاهب الاسلامیہ ص ۹۲ - ۱۵ یا قوت : الارشاد ۶/۲۲۴ لسان المیزان ۵/۱۰۲ -

نیز اس میں مثبت تنقید اور اس اجتہادی نظر کا بھی نقد ان ہے جو مسائل کی تہ تک پہنچ جاتی ہے۔  
اختلاف الفقہاء | الطبری نے اپنی کتاب "اختلاف الفقہاء" میں بھی یہ رویہ اختیار کیا ہے وہاں اس نے فقہاء کے اقوال کو اس طرح پیش کیا ہے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ واقعات کی کھتونی بنانے کا کتنا حرص ہے، اس فقہ میں اس کی وسعت علمی ظاہر ہوتی ہے اور اس سے دوسری کتابوں میں غلطی کا امکان بھی کم ہو جاتا ہے، لیکن اس نے اس میں طریقہ استناد پر سختی سے کاربندی نہیں کی ہے نہ وہ قواعد روایت کا پورا پورا پابند رہا ہے۔ چنانچہ وہ صاحب قول کا نام نقل کرنے کے بعد بے تکلف اس میں اضافہ بھی کر دے گا مثلاً کہے گا: وقال أبو ثور یا وقال الأوزاعی یا وقال مالک بن أنس، پھر قول کے آخر میں اس کے راوی کی نشان دہی کرے گا۔ مثلاً: حَدَّثَنِي بِذَلِكَ الْعَبَّاسُ عَنْ أَبِيهِ عَنْهُ "يَا حَدَّثَنِي بِذَلِكَ عَنْ مُعَاوِيَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْهُ" یا "حَدَّثَنَا بِذَلِكَ الرَّبِيعُ" لیکن وہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے بارے میں اس طریقے کی پابندی نہیں کرتا۔ اور ابو ثورؒ کے اقوال کی نسبت اس نے اسناد کا قطعاً التزام نہیں کیا ہے۔ محدثین کی نظر میں اس کا یہ عمل جرأت کا نشان سمجھا جاتا ہے، یہ بجائے خود اس صدی میں بہت بڑی تبدیلی تھی جو رونما ہوئی، اس کتاب میں جن رجال سے اس نے روایت کی ہے ان میں یونس بن عبد اللہ اعلیٰ (متوفی ۲۶۲ھ) جو رونما ہوئی، اس کتاب میں جن رجال سے اس نے روایت کی ہے ان میں یونس بن عبد اللہ اعلیٰ (متوفی ۲۶۲ھ)

۱ ENCYCLOPAEDIA OF ISLAM VOL 4 P 578

۲ کتاب اختلاف الفقہاء "قاہرہ ۱۳۲۰ھ (۱۹۰۲ء) طبع KERN - جوزف شاخت نے "کتاب الجہاد و کتاب الجزیۃ و احکام المحامدین من کتاب اختلاف الفقہاء" میں آستانہ کے قلمی نسخے سے فائدہ اٹھایا ہے۔ (بریل لیڈن - ۱۹۳۳ء) ملاحظہ ہو مستشرق کیرن KERN کے تعلیقات بسلسلہ کتاب اختلاف الفقہاء "مجلة المجمع الشرقي الألماني" ۱۹۰۱ء ZDMG . 1901 P. 61 FF

اسی طرح جوزف شاخت کی تحقیق اکادمی بروسیہ ۱۹۲۸ء میں :

ABH. PREUSS. AKAD. 1928 و PHIL. HIST. KLASSE. NR. 8 NR. 22

۳ کتاب الجہاد، (مقدمہ جوزف شاخت) ص ۲۲-۱۸ - (LEIDEN, 1933) WENSINCK P. 410  
 ۴ مقدمہ شاخت P. XVIII - ابو ثور ابراہیم بن خالد بن ایمان الفقیہ الکلبی، انھوں نے امام شافعی سے اخذ کیا۔ اور ان سے روایت کیا اور ان کی مخالفت بھی کی۔ انھوں نے مذہب شافعی سے ایک اور مذاہب نکالا۔ امام شافعی کی کتابوں کی ترتیب پر ان کی بھی ایک بمسوط کتاب ہے۔ آذربائیجان اور آرمینیا کے اکثر لوگ ان کے مذہب پر ہیں۔ ۱۹۲۸ء میں وفات ہوئی۔ ان کی تالیفات فقہ میں ہیں۔ الفہرست / ۲۹۷ -

بھی ہیں۔ یہ مصر کے ممتاز عالم اور فقیہ تھے۔<sup>۱</sup> اور امام شافعی کے روادے میں سے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ الطبری اُن سے قیام مصر کے زمانے میں متعارف ہوا ہوگا۔ الطبری نے مالک بن انس کے اقوال کی روایت میں انھیں پرہر وسہ کیا ہے۔

وہ دو طریقوں سے روایت کرتا ہے: طریق اشہب عن مالک اور طریق عبداللہ بن وہب (متوفی ۱۹۷ھ)

جو مالک کی سنن اور مؤطا<sup>۲</sup> نیز دوسری کتابوں کی روایت کے طریقے ہیں۔ اور اس نے اپنی کتاب میں کچھ ایسے ٹکڑے بھی دیئے ہیں جو مالک کی دوسری معروف کتابوں میں نہیں ملتے اور اُن اقتباسات سے امام مالک کے مذہب کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ بظاہر الطبری سخون (متوفی ۲۴۰ھ) کی کتاب ”المدونۃ الکبریٰ“ سے بے خبر ہے۔<sup>۳</sup> حالانکہ یہ فقہ مالکیہ کی اہم کتابوں میں سے ایک ہے، یہی سبب ہے کہ اس کتاب کا کوئی اقتباس الطبری کے ہاں نہیں ملتا۔

الطبری نے الاوزاعی کی فقہ روایت کرنے میں جس سے شہر بیروت میں قیام کے زمانے میں وہ متعارف ہوا ہوگا۔ دو عالموں پر اعتماد کیا ہے، یعنی العباس بن الولید بن مزید (متوفی ۲۶۹ھ)<sup>۴</sup> عن الاوزاعی اور معاویہ عن ابی اسحق الفزاری اور اسی معاویہ سے الطبری نے سفیان الثوری کے اقوال لئے ہیں، گو وہ بھی فی الجملہ

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ۸/۲ (ابن عیینہ اور ابن وہب سے روایت کیا) الشذرات ۱۲۹/۲ - الوفیات ۲/۵۵۳۔

۲۔ الفہرست/۲۸۱ - ENCY. OF ISLAM V.3 P 207 - ابو محمد عبداللہ بن وہب الفہری

”ولادت ۱۲۵ھ“ ابن جریج سے روایت کیا مالک اور اللیث سے علم فقہ حاصل کیا۔ ان کی کثیر تصانیف ہیں۔

الشذرات ۱/۳۲۸۔

WENSINCK UND KRAMERS: HAND WÖRTER BUCH DES ISLAM

LEIDEN 1941 P. 410

اشہب بن عبدالعزیز ابو عمرو الحامری مالک کے دوست تھے ۱۸ شعبان ۲۰۴ھ کو انتقال کیا۔ الشذرات ۱۲/۲

۳۔ الشذرات ۲/۹۲ - ENCY OF ISLAM V.3 P. 207 - WENSINCK: PAGE 211

برائے سخون عبدالسلام بن سعید بن حبیب التوخی، دیکھئے ضحی الاسلام جلد ۲ صفحہ ۲۱۵ و بعد۔ نیز الیافعی: المرأة ۱۵۱/۲

۴۔ کتاب الفقہاء XIX - BROCKEL MANN: SUPPL. VOL. I P. 299

۵۔ ان کا سال وفات ۲۷۰ھ اور ۲۷۱ھ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ تہذیب التہذیب ۵/۱۳۲ - الشذرات ۲/۱۶۰

نیز کتاب الفقہاء XIX و بعد DE GOEJE: ANNALES INTRODUCTIO P. LXXIX

ابو جعفر الطبری نے بیروت میں سات راتوں تک قیام کیا، وہ جامع مسجد میں رات گزارتا تھا اور اس روایت کی رو سے

اُس نے العباس بن الولید کے سامنے اس عرصے میں پورا قرآن ختم کیا تھا۔ P. LXXII

الادزاعیؒ ہی کے اقوال ہیں۔ اور ایک دوسرے شیخ سے جن کا سلسلہ روایت یوں ہے: علی بن زیدؒ۔ ان کے اقوال اکثر ایک ہی روایت میں آتے ہیں اور ان میں شاذی اختلاف ہوتا ہے۔

لیکن امام الشافعیؒ کی فقہ اس نے اپنے شیخ الرزیح بن سلیمان المرادی (متوفی ۲۷۰ھ) سے حاصل کی ہے۔ اور ان سے الطبری زمانہ قیام مصر میں ملا تھا۔ لیکن امام الشافعی کی کتاب الامم کا کوئی حوالہ تاریخ الطبری میں نہیں آیا، اس سے یہی متبادر ہے کہ وہ اس کتاب کے نام سے واقف نہیں تھا۔

امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب: ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم (متوفی ۱۸۲ھ) اور

محمد بن الحسن الشیبانی (متوفی ۱۸۹ھ) جو مذہب حنفی کے کبار رجال میں سے ہیں، ان کی فقہ کا علم اس نے زیادہ تر الحسن بن زیاد اللؤلؤی (متوفی ۲۰۴ھ) یا ان کے تلامذہ سے اور ابو سلیمانؒ الجوزجانی (المجربانی) سے جو محمد بن الحسن کی کتابوں کے راوی ہیں، حاصل کیا تھا۔ ان کے اکثر اقوال الطبری نے اسناد کے ساتھ پیش کئے ہیں۔

۱۔ الفقہاء XX و بعد - سفیان الثوری، یعنی سفیان بن سعید بن مسروق الثوری ابو عبد اللہ الکوفی متوفی ۱۶۱ھ (تہذیب التہذیب ۱۱۴/۶ و تذکرۃ الحفاظ ۱۹۰/۱) ابراہیم بن محمد بن الحارث ابو اسحق الفزاری الکوفی متوفی ۱۸۵ھ یا ۱۸۶ھ یا ۱۸۸ھ اسلام میں یہ پہلے شخص ہیں جس نے اصطلاح بنایا اور اس کے سلسلے میں ان کی ایک کتاب بھی ہے۔ یہ کتاب السیر کے مصنف ہیں، الشافعیؒ کا قول ہے کہ سیر میں ان کی تصنیف بے مثال ہے (تہذیب التہذیب ۱۵۲/۱ - ۱۵۳ - تذکرۃ الحفاظ ۲۵۱/۱) معاویہ بن عمرو بن المہلب الازدی کا انتقال ۲۱۳ھ یا ۲۱۴ھ میں ہوا۔ انھوں نے ابواسحق الفزاری کی کتاب السیر روایت کی تھی۔ (تہذیب التہذیب ۲۱۶/۱) ۲۔ الفقہاء XIX - ۳۔ الفقہاء XXI - ۴۔ الفہرست/۲۹۴ - ENCY. OF ISLAM V. 4 P. 253 - الشذرات ۱۵۹/۲، الوفيات ۲۲۹/۱ - ۵۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کا نام بعد میں رکھا گیا۔ ملاحظہ ہو - WENSINGK P. 660 - یہ قاہرہ میں ۱۳۲۵ھ و ۱۳۲۵ھ کے مابین چھپی ہے۔

۶۔ الحسن بن زیاد اللؤلؤی ابو علی، اصحاب ابی حنیفہ میں سے ہیں۔ ان سے انھوں نے حاصل کیا اور روایت کیا، ابو حنیفہ کے مذاہب الرائی کے بارے میں یہ بڑے عالم تھے، ان کی کتابوں میں ایک کتاب المجرد ہے۔ جس کی روایت ابو حنیفہ سے ہے، دوسری کتابیں یہ ہیں: کتاب ادب القاضي، کتاب الخصال، کتاب معانی الایمان، کتاب النفقات، کتاب الخراج، کتاب الفرائض، کتاب الوصایا، - ملاحظہ ہو، الفہرست/۲۸۸ و الشذرات ۱۲/۲ -

۷۔ انھوں نے محمد بن الحسن سے روایت کیا، ان کی کوئی تصنیف نہیں ہے۔ مگر انھوں نے محمد بن الحسن کی کتابوں کی روایت کی ہے۔ الفہرست/۲۹۰ - عقد الجواہر ۱۸۶/۲ (متوفی بعد ۲۸۰ھ) الجوزجانی ابو سلیمان موسیٰ بن سلیمان (متوفی بعد ۲۸۰ھ)

طریق اسناد | جتنا تساہل کتاب اختلاف الفقہاء کی اسناد میں ملحوظ رکھا گیا ہے اتنا ہی اہتمام اور تشدد ہمیں ”کتاب الامم والملوک“ کی اسناد میں ملتا ہے، جس میں اہل الحدیث کے طریقے پر روایت کی پختگی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اس میں حوادث کا آغاز پہلے سند کے ذکر سے ہوتا ہے مثلاً کہے گا: ”مجھ سے بیان کیا ابن حمید نے، کہا مجھ سے بیان کیا سلمہ نے، کہا مجھ سے بیان کیا محمد بن اسحاق نے اُن سے نافع نے ان سے ابن عمر نے، کہا.....“ یا ”ہم سے کہا محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم نے، کہا ہم سے بیان کیا ایوب بن سوید نے ان سے الادزاعی نے، کہا ہم سے بیان کیا اسماعیل بن عبداللہ نے کہا انس بن مالک الولید بن عبد الملک کے پاس آئے تو الولید نے ان سے کہا.....“ یہ صیغے محدثین میں بہت مقبول رہے ہیں، کیوں کہ متصلۃ السند ہیں اور ان میں کوئی فصل یا قطع نہیں ہے۔ وہ بھی ساری کتاب میں اسی طریق پر چلا ہے، سوائے ایک دو مقامات کے جہاں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے وہ واقعہ اس سلسلہ روایت سے اخذ نہیں کیا۔ بلکہ یا تو اس نے بعض کتابوں سے اخذ کیا ہے یا اجازۃ بالروایت کے طریقہ پر لکھی ہوئی کتب سے لیا ہے۔ چنانچہ اس نے ایسی روایتوں کا ذکر کیا ہے، جو محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ہیں اور ایسی روایات میں وہ محدث کا نام اکثر گول کر جاتا ہے، مثلاً ”فلاں سے بیان کیا گیا.....“ اس نے کہا کہ مجھ سے بیان کیا.....“ یا ”فلاں سے بیان کیا گیا، اس نے کہا.....“ ان صیغوں کو اس نے تاریخ ایران میں بہت استعمال کیا ہے اور یہ نسبت ہشام بن کلبی کے اقوال سے زیادہ ہو گیا ہے۔ یہ ظاہراً اس نے ہشام کی کتابوں سے اخذ کیا ہے ورنہ وہ دوسرے مقامات پر ان راویوں کے نام بتاتا ہے۔ جنہوں نے اس سے بیان کیا ہو، جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے۔

اور اپنی کتاب کے آخری اجزاء میں اس نے ایسے صیغے استعمال کئے ہیں: ”مجھ سے میرے دوستوں میں سے کسی نے بیان کیا.....“ یا ”مجھ سے میرے دوستوں کی ایک جماعت نے بیان کیا.....“ یا ”ایک ایسے شخص نے بیان کیا جس نے پچشم خود دیکھا تھا.....“ یا ”مجھ سے بیان کیا جماعت اہل.... نے یا مجھ سے ”باخبر لوگوں کی ایک جماعت نے بیان کیا.....“ یا ”مجھ سے یہ قصہ میرے دوستوں میں سے ایک نے بیان کیا جس نے ایسے شخص سے روایت کیا جو موقع پر موجود تھا.....“ یہ ایسے صیغے ہیں جو یقیناً سند میں تساہل

۱۰ ملاحظہ ہو تاریخ طبری کا متعلقہ حصہ۔

کی غمازی کرتے ہیں اور لازماً اس کا کچھ سبب رہا ہوگا۔ خصوصاً جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان صیغوں کو وہ اپنی تاریخ کے آخری حصوں میں استعمال کرتا ہے، یعنی اُن حوادث کے بیان میں جو اس کے زمانے سے کچھ پہلے یا اُسی کے زمانے میں واقع ہوئے۔ شاید اس نے اپنے راوی احباب کی مرضی سے ہی ایسا کیا ہو یا اُن لوگوں کے خون سے جو ان حوادث میں شامل تھے جن حوادث کا سیاستِ عامہ سے علاقہ تھا۔

اسناد اور مراجع کتابی | اور کبھی اس نے ایسے صیغے بھی استعمال کئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا خود مولفوں نے بلا واسطہ اس سے بیان کیا ہوگا۔ مثلاً ”ابن ابی بکر نے کہا.....“ یا ”محمد بن اسحق نے کہا.....“ یا ”الواقدی نے کہا.....“ وغیرہ یہ ایسے صیغے ہیں جو زمانہ آخر کے مصنفوں کے ہاں استعمال ہوتے ہیں۔ جنہوں نے سلسلہ اسناد کی پابندی نہیں کی یا سختی سے سند روایت پر کاربند رہنا اُن کی عادت نہیں رہا۔ مثلاً احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری (متوفی ۲۹۹ھ / ۸۹۲ء) اپنی گراں قدر کتاب الانساب الاشراف لکھیں تو سند کی پابندی کرتا ہے۔ کہیں یہ التزام چھوڑ دیتا ہے۔ اور وہ فی الواقع اُن اولین مؤرخوں میں سے ہے جنہوں نے سیرۃ کے پھیلے ہوئے مواد اور دوسرے مصادر کے بیانات میں توافقی پیدا کرنے کی کوشش کی تاکہ اُن کا اختلاف دور ہو کر وہ ایک استوار روایت بن سکیں۔

چوں کہ روایت کا یہ طریقہ الطبری نے اپنی تاریخ کے لئے پسند کیا، اور روایت میں کتابوں کے ناموں کا بالالتزام ذکر نہیں ہوا ہے، بلکہ راوی کا نام ہی اس کی کتاب کا قائم مقام ہو گیا ہے، اس طریقے میں جو غلطیاں ہیں اُن کے ساتھ ہی ہم دیکھتے ہیں کہ کہیں الطبری اپنے اُن مراجع کتابی کا ذکر کرنے سے اعراض بھی کرتا ہے جن پر اس نے بھروسہ کیا ہے۔

۱۔ اس کی تصانیف میں فتوح البلدان، دی غوے کی کوشش سے چھپ چکی ہے۔

LIBER EXPUGNATIONIS REGIONUM ANCTORE AL BELADSORI QUEM.

EDIDIT M. J. DE GOEJE, LEIDEN, 1866,

نیز طبع قاہرہ ۱۳۱۵ھ

کتاب انساب الاشراف بھی چھپ گئی ہے۔ اسے عبرانی یونیورسٹی نے چھاپا ہے اور ”غوتائین“ نے ایڈٹ کیا ہے۔

(نیز ملاحظہ ہو یا قوت: الارشاد ۱۲۷/۲) ۲۔ دائرة المعارف الاسلامیہ / ۴۹۱ -

اس نے صرف محدودے چند مقامات پر اس قاعدے سے روگردانی کی ہے، مثلاً جہاں اُس نے عمر بن شبنہ البصری الاخباری<sup>۱</sup> (متوفی ۲۶۲ھ) کی روایت سے ایک حکایت بیان کی ہے، یہ اخبار میں متعدد کتابوں کا مؤلف ہے۔ جن میں کتاب الکوفہ، اور کتاب مکہ بھی شامل ہیں۔ اس کی تالیفات طبری کے مآخذ میں شامل ہیں اور وہ اُن کے اقتباس دیتا ہے، ”مجھ سے عمر نے ایک دوسرے موقع پر اپنی کتاب میں بیان کیا جس کا نام اس نے کتاب اہل البصرہ رکھا ہے اور کہا.....“<sup>۲</sup>

اگرچہ ایسے مقامات ان اصولوں کی نسبت جن پر اپنی ”تاریخ الرسل والملوک“ میں الطبری کا رہنما رہا ہے۔ شاذ ہی سمجھے جاسکتے ہیں۔

الطبری کے اس طریقے سے ریسرچ کرنے والوں اور مآخذ اصلی سے رجوع کرنے والوں کو بہت گھٹا مارا کیوں کہ طریقہ اسنادیں جہاں کچھ خوبیاں ہیں، چند بُرائیاں بھی ہیں، چنانچہ بہت سے مشائخ جن کا الطبری نے اپنے اسانید میں ذکر کیا ہے، ان کی کئی کتابیں ہیں، یہ پتا نہیں چلتا کہ اُن کی کون سی کتاب سے اُن کا قول نقل ہوا ہے۔ پھر کتابوں کے نام چھوڑ جانے سے علم کا بھی نقصان عظیم ہوا ہے، کیوں کہ اس طرح ہم اس قیمتی علمی سرمایے سے محروم رہ گئے، اگر وہ نام بتا دیتا تو یہ ممکن تھا کہ اس سے ہمیں اُن مخطوطات کی کھوج میں مدد ملتی، اور اس میراث علمی سے زیادہ واقف ہو جاتے جو ہمارے لئے ثقافت عربی نے چھوڑی تھی، اب تو جن کتابوں کے نام ہم جانتے ہیں وہ اُن کتابوں کی نسبت تعداد میں بہت ہی قلیل ہیں جن کے متعلق ہم کچھ نہیں جانتے، اور جو مفقود ہو گئیں۔

طریق جمع الاصول | چوں کہ صدر اسلام کی تاریخ دوسرے ادوار کے مقابلے میں زیادہ حساس تھی، اور اس میں

۱۔ الفہرست ص ۱۶۳، ان کے بارے میں کسی مناسب محل پر بیان ہوگا۔ ”انہوں نے تاریخ البصرہ لکھی تھی“

الوفیات ۴۷۸/۱ الشذرات ۱۴۶/۲۔

۲۔ الطبری ۱۶۶/۶ (الطبعة المصرية) ”کتاب البصرہ“ ”کتاب الکوفہ“ ”کتاب المدینہ“ ”کتاب مکہ“

”کتاب امراء البصرہ“ وغیرہ ان کی متعدد کتابیں ہیں۔ الفہرست ص ۱۶۳۔

ایسی روایات کی بھرمار ہے جنہیں راویوں کے ذہنی رجحان، یا وقتی سیاست، یا نقطہ نظر اور فہم کے اختلاف نے پیدا کیا ہے۔ تاریخ کا یہ حصہ نزاع و اختلاف کا گڑھ بن گیا ہے، الطبری کے لئے جو ایک غیر جانب دار مؤرخ تھا۔ یہ ناگزیر ہوا کہ وہ ”جمع الاصول“ کے طریقے کا اتباع کرے۔ اور ان روایتوں کو ایک جگہ جمع کر دے پھر ان کی تدوین ایسی صورت میں کر دے کہ اسناد کے رجال پر ان کی ذمہ داری راجع ہونے لگے۔

میں کہتا ہوں کہ اس نے ہر روایت الف سے ی تک ویسے ہی پیش کر دی ہے۔ جس صورت میں اُسے اپنے شیخ سے پہنچی تھی۔ پھر دوسری روایت جس صورت میں پہنچی اُس نے بیان کر دی اسی طرح تیسری روایت نفسِ حادثہ کے بارے میں جیسی ملی داخل کتاب کر لی وہی ہذا۔ روایات کے اس طرح جمع کرنے سے قاری کو ایک واضح فکری راستہ مل جاتا ہے جس سے وہ اُن نقطہ ہائے نظر کا اختلاف سمجھ سکے جو ایک ہی حادثہ کے سلسلہ میں پیش آتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہو جاتا ہے کہ وہ ان مختلف آراء میں موازنہ کرے اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دے، سکے اور نفسِ موضوع کے بارے میں ایجابی نظر پیدا کر سکے۔ اگرچہ الطبری خود اس راستے پر نہیں چلا، بلکہ وہ تو صرف حدیث کی روایت کر دیتا ہے اور اسے اس کے محدث سے منسوب کر دیتا ہے، لیکن جب وہ کسی مختلف فیہ موضوع پر آتا ہے تو درمیان میں اختلافِ نظر کا بیان بھی کر دیتا ہے، مثلاً ان لفظوں میں اختلاف کی طرف اشارہ کرے گا:

”مگر فلاں نے اس قول کے خلاف یہ بات کہی، اس نے کہا.....“ یا ”مگر فلاں یہ کہتا ہے“ یا ”اس نے اس سے مختلف بات کہی، جو فلاں شخص نے مجھ سے بیان کی تھی.....“ یا ”لیکن الکلبی محمد بن السائب کہتا ہے جو مجھ سے الحارث بن محمد سے محمد بن سعد نے اس سے ہشام نے بیان کیا کہ مجھ سے میرے والد نے کہا.....“ یا ”ابو اسحق نے کہا ہم سے فلاں نے یہ روایت فلاں یہ کہا.....“

پھر الطبری اختلافی مقامات میں تطابق پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، جب اس سے نمٹتا ہے۔ تو پھر متن کی طرف لوٹ جاتا ہے، جہاں سے بات قطع کی تھی پھر عبارت کو کسی ایسے اشارے سے شروع کرتا ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ اب نئے سرے سے ابتداء کر رہا ہے، مثلاً کہے گا: ”یہ حدیث فلاں حدیث کی طرف راجع ہے...“ وہ اکثر متون کو ایک دوسرے میں ملا دیتا ہے اور روایات کو گڈ مڈ کر دیتا ہے، پھر بعد میں اس کا اقرار کر لیتا ہے:

”دخل حدیث بعضہم فی بعض.....“ اس طریقے سے پڑھنے والا بہت الجھ جاتا ہے اور اصلی

حادثے کو بھول جاتا ہے اس کا ذہن اصل سے ہٹ کر فروع کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ ایسا مغالطہ الطبری نے متعدد جگہ پیدا کیا ہے، اس نے ضمنی مسائل کی طرف اپنی توجہ بہت زیادہ ملحوظ رکھی ہے یا ان اشخاص کی طرف جن کا نفس روایت سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔ اور جن باتوں کی تشریح کرنی چاہئے تھی ان سے آنکھ پچاتا ہے، اور ان چیزوں کو بھول جاتا ہے جن کا صلیب موضوع سے براہ راست علاقہ تھا۔ لیکن دوسری طرف یہ بھی ہے کہ الطبری نے جدید روایات کے فراہم کرنے اور ترتیب دینے میں جس شوق و حرص کا مظاہرہ کیا ہے، اس کا اعتراف کرنا بھی واجب ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ایک ہی حادثے کے بارے میں بہت سی روایات فراہم کرنے کا شوقین تھا، اب ان میں کبھی وہ ایک کو دوسری سے پہلے جگہ دیتا ہے، کبھی روایات واردہ کے مشترک مفہوم میں تطابق پیدا کر کے ایک روایت بنا لیتا ہے۔

SCHWALLY. 2, P 140 -

لہ الطبری ۱/۱۵۶۵ (طبعة لیدن -

## دارالعلوم دیوبند کا عربی ترجمان

### سہ ماہی مجلہ "دعوة الحق" دیوبند

"دارالعلوم دیوبند" ملت کا وہ عظیم الشان مذہبی علمی اور ثقافتی مرکز ہے جس پر برصغیر کے مسلمانوں کو بجا طور پر ناز ہے مدت سے اس بات کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ اس مرکزی آواز عالم اسلام تک پہنچانی جائے اور اس کے فکر و مسلک کو اس کی اپنی روایات کی روشنی میں عرب ممالک سے متعارف کرایا جائے۔

چنانچہ علماء مصر و شام کے اصرار اور فضلاء دیوبند کی قدیم خواہش کی بنا پر "دعوة الحق" کے نام سے عربی کے ایک سہ ماہی مجلہ کا اجرا کیا گیا ہے جس میں اکابر دیوبند کے علوم اور ان کی تحقیقات عربی کے قالب میں پیش کی جائیں گی۔ نیز وقت کے اہم موضوعات پر بصیرت افروز مضامین کے علاوہ دنیا سے اسلام کے ممتاز ارباب قلم کے علمی و دینی مقالات بھی شامل اشاعت ہوں گے۔

شوال ۱۳۸۷ھ میں پہلا شمارہ منظر عام پر آچکا ہے جس نے اپنی طرز کتابت، حسن طباعت، عمدگی مضامین اور جاذب نظر سرورق کی بنا پر ملک کے ارباب ذوق و اہل نظر سے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔

سال کے چار شماروں کے لئے زیر اشتراک مبلغ چار روپے اس پتے پر بھیجئے۔

مینجر مجلہ "دعوة الحق" دارالعلوم دیوبند (دہلی)